

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

تفہیم القرآن

القصص

نام | آیت نمبر ۲۵ کے اس فقرے سے ماخوذ ہے: وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ یعنی وہ سورہ جس میں القصص کا لفظ آیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے قصص کے معنی ترتیب وار واقعات بیان کرنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لفظ باعتبار معنی بھی اس سورے کا عنوان ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں حضرت موسیٰ کا مفصل قصہ بیان ہوا ہے۔

زمانہ نزول | سورہ نمل کی تہذیب میں ابن عباس اور جابر بن زید کا یہ قول گزر چکا ہے کہ سورہ شعراء سورہ نمل اور سورہ قصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں۔ زبان، انداز بیان اور مضامین سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان تینوں سورتوں کا زمانہ نزول قریب قریب ایک ہی ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی ان تینوں میں قریبی تعلق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے مختلف اجزاء جو ان میں بیان کیے گئے ہیں وہ باہم مل کر ایک پورا قصہ بن جاتے ہیں۔ سورہ شعراء میں نبوت کا منصب قبول کرنے سے معذرت کہتے ہوئے حضرت موسیٰ عرض کرتے ہیں کہ تویم فرعون کا ایک یوم میرے ذمہ ہے جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہاں جاؤں گا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ پھر جب حضرت موسیٰ فرعون کے ہاں شریف لے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کیا ہم نے اپنے ہاں تجھے پتھر سا نہیں پلا تھا، اور تو ہمارے ہاں چند سال رہا پھر گر گیا کچھ جو کہ کر گیا۔ ان دونوں باتوں کی کوئی تفصیل وہاں نہیں بیان کی گئی۔ اس سورے میں آستے تفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ نمل میں قصہ یکایک اس بات سے شروع ہو گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے اہل و عیال کو لیکر تیار ہوئے۔

یکایک انہوں نے ایک آگ دیکھی۔ وہاں اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ یہ کیسا سفر تھا، کہاں سے وہ آ رہے تھے اور کہہ جا رہے تھے۔ یہ تفصیل اس سورے میں بیان ہوئی ہے۔ اس طرح یہ تینوں سورتیں مل کر قصہ موسیٰ علیہ السلام کی تکمیل کر دیتی ہیں۔

موضوع اور مباحث | اس کا موضوع ان شبہات و اعتراضات کو رفع کرنا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر وارد کیے جا رہے تھے، اور ان غدرات کو قطع کرنا ہے جو آپ پر ایمان نہ لانے کے لیے پیش کیے جاتے تھے۔

اس غرض کے لیے سب سے پہلے حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو زمانہ نزول کے حالات سے مل کر خود بخود چند حقیقتیں سامع کے ذہن نشین کر دیتا ہے:

اولیٰ یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے وہ غیر عسوس طریقہ سے اسباب و ذرائع فراہم کر دیتا ہے جس بچے کے ہاتھوں آخر کار فرعون کا تختہ اٹنا تھا، اللہ نے خود فرعون ہی کے گھر میں اس کے اپنے ہاتھوں پرورش کرا دیا اور فرعون یہ نہ جان سکا کہ وہ کسے پرورش کر رہا ہے۔ اس خدا کی مشیت سے کون ٹر سکتا ہے اور کس کی چالیں اس کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ نبوت کسی شخص کو کسی بڑے جشن اور زمین و آسمان سے کسی بھاری اعلان کے ساتھ نہیں دی جاتی۔ تم کو حیرت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چپکے سے یہ نبوت کہاں سے مل گئی اور بیٹھے بٹھائے یہ نبی کیسے بن گئے۔ مگر جس موسیٰ علیہ السلام، کا قلم خود حوالہ دیتے ہو کہ لَوْلَا اَنْزَلْنَاهُ سُلْطٰنًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ لَكُنْتُمُ الْكٰفِرِيْنَ (آیت ۴۸)، اسے بھی اسی طرح راہ چلتے نبوت مل گئی تھی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ آج طور سینا کی سنان داوی میں کیا واقعہ پیش آگیا۔ موسیٰ خود ایک لمحے پہلے تک نہ جانتے تھے کہ انہیں کیا چیز ملنے والی ہے۔ آگ لینے چلے تھے اور پیمبری مل گئی۔

تیسرے یہ کہ جس بندے سے خدا کوئی کام لینا چاہتا ہے وہ بغیر کسی لاؤشلکلاؤ

سروسامان کے اگتسا ہے، کوئی اس کا مددگاہ نہیں ہوتا، کوئی طاقت بظاہر اس کے پاس نہیں پہنچی، مگر بڑے بڑے لاؤشکر اور سروسامان والے آخر کار اس کے مقابلے میں دھڑکے دھڑکے رہ جاتے ہیں۔ جو نسبت آج تم اپنے اور محمد مصطفیٰ علیہ وسلم کے درمیان پار ہے ہو اس سے بہت زیادہ فرق موسیٰ و علیہ السلام، اور فرعون کی طاقت کے درمیان تھا۔ مگر دیکھ لو کہ آخر کار کون جیتتا اور کون ہارا۔

چوتھے یہ کہ تم لوگ بار بار موسیٰ کا حوالہ دیتے ہو کہ ”مخبر کو وہ کچھ کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا“ یعنی عصا اور یمنیضا اور دوسرے کھلے کھلے معجزے۔ گویا تم ایمان لانے کو تیار بیٹھے ہو، بس انتظار ہے تو یہ کہ تمہیں وہ معجزے دکھائے جائیں جو موسیٰ نے فرعون کو دکھائے تھے۔ مگر تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ جن لوگوں کو وہ معجزے دکھائے گئے تھے انہوں نے کیا کیا تھا؟ وہ انہیں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے، انہوں نے کہا تو یہ کہا کہ یہ جادو ہے۔ کیونکہ وہ حق کے خلاف بٹھ دھری اور خدا میں مبتلا تھے۔ اسی مرض میں آج تم مبتلا ہو۔ کیا تم اسی طرح کے معجزے دیکھ کر ایمان لے آؤ گے؟ پھر تمہیں کچھ یہ بھی خبر ہے کہ جن لوگوں نے وہ معجزے دیکھ کر حق کا انکار کیا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟ آخر کار اللہ نے انہیں تباہ کر کے چھوڑا۔ اب کیا تم بھی بٹھ دھری کے ساتھ معجزہ مانگے اپنی شامت بلانا چاہتے ہو؟

یہ وہ باتیں ہیں جو کسی تصریح کے بغیر آپ سے آپ ہر اس شخص کے ذہن میں اتر جاتی تھیں جو کتے کے کانزادہ حوالہ میں اس قصے کو سنتا تھا، کیونکہ اس وقت محمد مصطفیٰ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان ویسی ہی ایک کشمکش برپا تھی جیسی اس سے پہلے فرعون اور حضرت موسیٰ کے درمیان برپا ہو چکی تھی، اور ان حالات میں یہ قصہ سننے کے معنی یہ تھے کہ اس کا ہر ہر جزو وقت کے حالات پر خود بخود چسپاں ہونا چاہئے، خواہ ایک لفظ بھی ایسا نہ کہا جائے جس سے معلوم ہو کہ قصے کا کون سا جزو اس وقت کے کس

مسلطے پر چسپاں ہو رہا ہے۔

اس کے بعد بائیس رکوع سے اصل موضوع پر براہ راست کلام شروع ہوتا ہے پہلے اس بات کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ثبوت قرار دیا جاتا ہے کہ آپ اُمّی ہونے کے باوجود دو ہزار برس پہلے گزرا ہوا ایک تاریخی واقعہ اس تفصیل کے ساتھ من و عن سنار ہے ہیں حالانکہ آپ کے شہر اور آپ کی برادری کے لوگ خوب جانتے تھے کہ آپ کے پاس ان معلومات کے حاصل ہونے کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس کی ذمہ نشان دہی کر سکیں۔

پھر آپ کے نبی بنائے جانے کو ان لوگوں کے حق میں اللہ کی ایک رحمت قرار دیا جاتا ہے کہ وہ غنیمت میں پڑے ہوئے تھے اور اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے یہ انتظام کیا پھر ان کے اس اقرار کا جواب دیا جاتا ہے جو وہ بار بار پیش کرتے تھے کہ یہ نبی وہ معجزے کیوں نہ لایا جو اس سے پہلے موسیٰ لائے تھے؟ ان سے کہا جاتا ہے کہ سوتلی جن کے متعلق تم خود مان رہے ہو کہ وہ خدا کی طرف سے معجزے لائے تھے، انہی کو تم نے کب مانا ہے کہ اب اس نبی سے معجزے کا مطالبہ کرتے ہو؟ خواہشات نفس کی بندگی نہ کہو تو حق اب بھی تمہیں نظر آسکتا ہے لیکن اگر اس مرض میں تم مبتلا رہو تو خواہ کوئی معجزہ آجائے، تمہاری آنکھیں نہیں کھل سکتیں۔

پھر کفار مکہ کو اس واقعہ پر عبرت اور شرم دلائی گئی ہے جو اسی زمانے میں پیش آیا تھا کہ باہر سے کچھ عیسائی مکہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن کر ایمان لے آئے مگر مکہ کے لوگ اپنے گھر کی اس نعمت سے مستفید نہ کیا جوتے، ان کے ابراہیم نے اسی ان لوگوں کی حکیم کھلائے عزتی کی۔

آخر میں کفار مکہ کے اس اصل عذر کو لیا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دمانے کے لیے وہ پیش کرتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر ہم اہل عرب کے دینِ شرک کو

چھوڑ کر اس نئے دین تو حید کو قبول کریں تو کیا ایک اس ملک سے چاری مذہبی، سیاسی اور معاشی چودھرا بیٹ ختم ہو جائے گی اور ہمارا حال یہ ہو گا کہ عرب کے سب سے زیادہ بااثر قبیلے کی حیثیت کھو کر اس سرزمین میں ہمارے لیے کوئی جگہ نہ پائے تاکہ باقی نہ رہے گی یہ چونکہ سرداران قریش کی حق شناسی کا اصل محرک تھا اور باقی سارے شہادت و عقداقت محض جہانے تھے جو وہ عوام کو فریب دینے کے لیے تراشتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر آخر سورۃ تک مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈال کر نہایت عجیبانہ طریقے سے اُن تمام بنیادی امراض کا مداوا کیا ہے جن کی وجہ سے یہ لوگ حق اور باطل کا فیصلہ دینے کی خاطر نظر سے کرتے تھے۔

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے

طہ س م۔ یہ کتاب میں کی آیات ہیں۔ ہم موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک تمہیں سناتے ہیں، ایسے لوگوں کے خاندانے کے لیے جو ایمان لائیں پلے واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم

لے تنہا کیے لیے ملاحظہ ہوا بقدرہ (دکوع ۶)۔ الاعراف (دکوع ۱۲ تا ۱۶)۔ یونس (دکوع ۸-۹) ہود (دکوع ۹)۔ بنی اسرائیل (دکوع ۱۲)۔ مریم (دکوع ۴)۔ ظہر (دکوع ۱-۴)۔ المؤمنین (دکوع ۲)۔ الشعراء (دکوع ۲-۴)۔ النمل (دکوع ۱)۔ العنکبوت (دکوع ۴)۔ المؤمن (دکوع ۵-۲)۔ الزخرف (دکوع ۵)۔

الذخاں (دکوع ۱)۔ الذاریات (دکوع ۲)۔ التازعات (دکوع ۱)۔

تھے یعنی جو لوگ بات ماننے کے لیے تیار ہی نہ ہوں ان کو سنا تا تو بے کار ہے۔ البتہ جنہوں نے سب دھرمی کا فعل اپنے دلوں پر چڑھانا رکھا ہو وہ اس گفتار کے مخاطب ہیں۔

تکہ اصل میں لفظ عکافی الارض استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے زمین میں رہنا یا باغیانہ روش اختیار کی، اپنی اصل حیثیت یعنی بندگی کے مقام سے اٹھ کر خود مختاری اور خداوندی کاروبار

کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لوگوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو بقیارہنے دیتا تھا۔ وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔ اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان دھاریا، ماتحت ہونے کے بجائے بالادست بن بیٹھیا، اور جبار منکبرین کو ظلم ڈھانے لگا۔

یعنی اس کی حکومت کا قاعدہ یہ نہ تھا کہ قانون کی نگاہ میں ملک کے سب باشندے یکساں ہوں اور سب کو برابر کے حقوق دیئے جائیں، بلکہ اس نے تمدن و سیاست کا یہ طرز اختیار کیا کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جاتے، کسی کو مراعات و امتیازات دے کر حکمران گروہ ٹھہرایا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دیا یا اور پسیا اور ٹوٹا جاتے۔

یہاں کسی کو یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ اسلامی حکومت بھی تو مسلم اور ذمی کے درمیان تفریق کرتی ہے اور ان کے حقوق و امتیازات ہر حیثیت سے یکساں نہیں رکھتی۔ یہ شبہ اس لیے غلط ہے کہ اس فرق و امتیاز کی بنیاد فرعون تفریق کے برعکس نسل، رنگ، زبان، باطنیاتی امتیاز پر نہیں ہے بلکہ اصولی اور مسلک کے اختلاف پر ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں ذمیوں اور مسلمانوں کے درمیان قانونی حقوق میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے، تمام فرق صرف سیاسی حقوق میں ہے۔ اور اس فرق کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک اصولی حکومت میں حکمران جماعت صرف وہی ہو سکتی ہے جو حکومت کے بنیادی اصولوں کی حامی ہو۔ اس جماعت میں ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو اس کے اصولوں کو مان لے، اور ہر وہ شخص اس سے خارج ہو جاتا ہے جو ان اصولوں کا منکر ہو جائے۔ آخر اس تفریق میں اور اس فرعونی طرز تفریق میں کیا وجہ مشابہت ہے جس کی بنا پر محکوم گروہ کا کوئی فرد کبھی حکمران گروہ میں شامل نہیں ہو سکتا جس میں محکوم گروہ کو سیاسی اور قانونی حقوق تو درکنار بنیادی انسانی حقوق بھی حاصل نہیں ہوتے، حتیٰ کہ زندہ رہنے کا حق بھی ان سے چھین لیا جاتا ہے جس میں محکوموں کے لیے کسی حق کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہوتی، تمام فوائد و منافع اور حسنات و درجات صرف حکمران قوم کے لیے مختص ہوتے ہیں، اور یہ مخصوص حقوق صرف اسی شخص کو حاصل ہوتے ہیں جو حکمران قوم میں پیدا ہو جائے

۵۰ بائبل میں اس کی جو تشریح ملتی ہے وہ یہ ہے:

”تب مصر میں ایک نیا بادشاہ بڑا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا۔ اور اس نے اپنی قوم

لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیا اور انہی کو وارث بنائیں۔

کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔

اس لیے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کیے جو ان سے سخت کام لے کر انہیں ستائیں۔ سونا انہوں نے فرعون کے لیے ذخیرے کے شہر تھم میں اور رعمیس بنائے ...

... اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر نشتہ ذکر کئے ان سے کام کر دیا اور انہوں نے ان سے سخت محنت سے کارا اور اینٹ بنوا سزا کر رکھی تھی میں ہر قسم کی خدمت لیکران کی زندگی تلخ کی۔ ان کی سب خدمتیں جو وہ ان سے کرانے تھے نشتہ کی تھیں نب مہر کے

بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے ... باتیں کہیں اور کہا کہ جب عبرانی (یعنی اسرائیلی) مردوں کے تم بچہ بناؤ اور ان کو تھکر کی مٹھکوں پر بیٹھی دیکھو تو اگر بٹیا ہو تو اسے ماڈوانا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے (خروج، باب ۱- ایت ۸-۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دور گزر جانے کے بعد مصر میں ایک قوم پرستانہ انقلاب ہوا تھا اور قبطیوں کے ہاتھ میں جب دوبارہ اقتدار آیا تو نئی قوم پرست حکومت نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں صرف اتنے ہی پرانے تھے کیا گیا کہ اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کیا جانا اور انہیں ادنیٰ درجے کی خدمات کے لیے مخصوص کر لیا جانا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ پامسی اختیار کی گئی کہ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹائی جائے اور ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تاکہ رفتہ رفتہ ان کی عدد میں قبطیوں کے تصرف میں آتی جائیں اور ان سے اسرائیل کے بجائے قبطی نسل پیدا ہو۔ نامور اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے کہ حضرت یوسف کی وفات پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر جانے کے بعد یہ انقلاب ہوا تھا۔ وہ بتاتی ہے کہ نئی قوم پرست حکومت نے پہلے تو بنی اسرائیل کو ان کی زمینیں زمینیں اور ان کے مکانات اور جائیدادوں سے محروم کیا۔ پھر انہیں حکومت کے تمام مناصب سے

اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دے۔ یہ نازل کیا۔ اس کے بعد بھی جب فطی حکمرانوں نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل اور ان کے ہم مذہب مصری کافی طاقت ہیں تو انہوں نے اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کرنا شروع کیا اور ان سے سخت محنت کے کام خلیل معارضوں پر یاہلا معارضہ لینے لگے۔ یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی کہ مہر کی آبادی کے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اور ستر بقبرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ آئی فرعون بنی اسرائیل کو سخت عذاب دیتے تھے (تَسْوَأُ الْعَذَابِ)۔

مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں کہ فرعون سے کسی نجومی نے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی اقتدار کا تختہ الٹ جائے گا اور اسی خطرے کو روکنے کے لیے فرعون نے اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یا فرعون نے کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر یہ دی گئی تھی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں ایسا اور ایسا پیدا ہونے والا ہے۔ یہ افسانہ تلمود اور تلمود اسرائیلی روایات سے ہمارے مفسرین نے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو یہودیہ جوش انسائیکلو پیڈیا، مضمون "موسیٰ" اور

THE TALMUD SELECTION صفحہ ۱۲۲-۱۲۳

یعنی انہیں دنیا میں قیادت و رہنمائی کا مقام عطا کریں۔

یعنی ان کو زمین کی وراثت بخشیں اور وہ حکمران و فرمانروا ہوں۔

۵۵ مغربی مستشرقین نے اس بات پر بڑی لے وے کی ہے کہ ہامان تو ایران کے بادشاہ اخصیرس

(XERXES) کے دربار کا ایک امیر تھا، اور اس بادشاہ کا زمانہ حضرت موسیٰ کے سینکڑوں برس بعد تھا اور

۴۶۵ قبل مسیح میں گزرا ہے، مگر قرآن نے اسے مصر کے حاکم فرعون کا وزیر بنا دیا۔ لیکن اگر منصب کا پرہ ان

لوگوں کی عقل پر پڑا ہوتا ہے تو وہ خود غور کریں کہ آخر ان کے پاس یہ یقین کرنے کے لیے کیا تاریخی ثبوت موجود ہے کہ

اخصیرس کے درباری ہامان سے پہلے دنیا میں کوئی شخص کبھی اس نام کا نہیں گزرا ہے۔ جس فرعون کا ذکر یہاں ہو رہا ہے

اگر اس کے تمام فنکار اور امراء اولیٰ دربار کی کوئی مکمل فہرست بالکل مستند ذریعے سے کسی مستشرق صاحب کول

گئی ہے جس میں ہامان کا نام مفقود ہے تو وہ اسے چھپائے کیوں بیٹھے ہیں۔ انہیں اس کا فوٹو فوراً شائع کر دینا

دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

ہم نے موسیٰ کی ماں کو اشارہ کیا کہ اس کو دو دھپلا، پھر جب تجھے اُس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔ آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے نکال لیا تاکہ وہ چاہیے، کیونکہ قرآن کی تکذیب کے لیے اس سے زیادہ مؤثر نہ تھا، ہاں انہیں کوئی اور نٹے گا۔

۹۵: بیچ میں یہ ذکر چھٹا دیا گیا ہے کہ انہی حالات میں ایک اسرائیلی والدین کے ہاں وہ بچہ پیدا ہو گیا جس کو دین نے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا، بائبل اور تلمود کے بیان کے مطابق یہ خاندان حضرت یعقوب کے بیٹے لاوی کی اولاد میں سے تھا۔ حضرت موسیٰ کے والد کا نام ان دونوں کتابوں میں عمام بتایا گیا ہے، قرآن اسی کا مفہظ عمران کرنا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کے ہاں دو بچے ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی میم (MIRIAM) نامی تھیں جن کا ذکر آگے آیا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون تھے۔ غالباً یہ فیصلہ کہ نبی اسرائیل کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوا اسے قتل کر دیا جائے، ان کی پیدائش کے زمانے میں نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ بچ گئے۔ پھر یہ خاتون جاری ہوا اور اس خوفناک زمانے میں تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی۔

تو یعنی پیدا ہونے ہی دریا میں ڈال دینے کا حکم نہ تھا، بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ جب تک خطرہ نہ ہو بچے کو دو دھپلائی رہو جب رازناش ہرنا نظر آئے اور اندیشہ ہو کہ بچے کی آواز سن کر یا اور کسی طرح دشمنوں کو اس کی پیدائش کا علم ہو جائے گا۔ یا خود نبی اسرائیل ہی میں سے کوئی مکینہ آدمی مخبری کر بیٹھے گا، تو بے خوف و خطر اسے ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا۔ بائبل کا بیان ہے کہ پیدائش کے بعد تین ہفتے تک حضرت موسیٰ کی والدہ ان کو چھپاتے رہیں۔ تلمود اس پر اٹھتا ہے کہ فرعون کی حکومت نے اس زمانے میں جاسوس عتیبی چھوڑ رکھی تھیں جو اسرائیلی گھروں میں اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے لے جاتی تھیں اور وہاں کسی نہ کسی طرح ان بچوں کو رلا دیتی تھیں تاکہ اگر کسی اسرائیلی نے اپنے ہاں کوئی بچہ چھپا رکھا ہو تو وہ بھی دوسرے بچے کی آواز سن کر رونے لگے۔ اس نئے طرز جاسوسی سے حضرت موسیٰ کی والدہ پریشان ہو گئیں اور انہوں نے اپنے بچے کی جان بچانے کے لیے پیدائش کے تین چھینے بعد اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس حد تک ان دونوں کتابوں کا بیان قرآن

ان کا دشمن اور ان کے لیے سببِ رنج بنے، واقعی فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر و اپنی بدمعاشی میں، بڑے غلط کار تھے۔ فرعون کی بیہوشی نے (اس سے) کہا، یہ میرے اوزیر سے ایسے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں، اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔

کے مطابق ہے۔ اور دریا میں ڈالنے کی کیفیت بھی انہوں نے وہی بتائی ہے جو قرآن میں بتائی گئی ہے۔ سورہ ظہر میں ارشاد ہوا ہے: **اِنَّذَرْتَنِي فَنَذَرْتَنِي فَاَقْتَدَيْتَنِي فِي الْيَمِّ** ہم نے کہا کہ تو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دے، اسی کی تائید بائبل اور تلمود بھی کرتی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے سرکشوں کا ایک ٹوکرا بنا یا اور اسے چکنی مٹی اور مال سے لپیٹ کر پانی سے محفوظ کر دیا، پھر اس میں حضرت موسیٰ کو ڈال کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ لیکن سب سے بڑی بات جو قرآن میں بیان کی گئی ہے اس کا کوئی ذکر اسرائیلی روایات میں نہیں ہے یعنی یہ کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے اشارے پر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ اس طریقے پر عمل کرنے میں نہ صرف یہ کہ ہمارے بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے، بلکہ ہم بچے کو نہ ہارے پاس ہی پٹالائیں گے، اور یہ کہ تمہارا بچہ کچھ لڑاؤں سے بچے گا۔ یہ ان کا مقصد نہ تھا بلکہ یہ ان کے اس فعل کا انجام مقدر تھا۔ وہ اس بچے کو ٹھہرا رہے تھے جس کے ہاتھوں آخر کار انہیں تباہ ہونا تھا۔

ملاحظہ! اس بیان سے جو صورت معاملہ عاقل سمجھیں آتی ہے وہ یہ ہے کہ تابوت یا ٹوکرا دریا میں بہنا ہوتا ہے اس مقام پر پہنچا جہاں فرعون کے مملکت تھے، تو فرعون کے خدام نے اسے پکڑ لیا اور لے جا کر بادشاہ اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ممکن ہے کہ بادشاہ اور ملکہ خود اس وقت دریا کے کنارے سیر میں مشغول ہوں اور ان کی نگاہ اس ٹوکرو سے پر ٹپڑی ہو اور انہی کے حکم سے وہ نکالا گیا ہو۔ اس میں ایک بچہ پڑا ہوا دیکھ کر آسانی یہ تھیں کہ یہ بچہ کسی اسرائیلی کا بچہ ہے، کیونکہ وہ ان نچلوں کی طرف سے آ رہا تھا جن میں بنی اسرائیل رہتے تھے، اور انہی کے بیٹے اس زمانے میں قتل کیے جا رہے تھے، اور انہی کے متعلق یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ کسی نے بچے کو چھپا کر کچھ مدت تک پالا ہے اور پھر جب زیادہ دیر چھپ

اُدھر موسیٰ کی ماں کا دل اٹا جا رہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی۔ اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بڑھا دیتے تاکہ وہ رہا سے وعدے پر ایمان لانے والوں میں سے ہو۔ اُس نے بچے کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ چنانچہ وہ الگ سے اس کو اس طرح دکھیتی رہی کہ دشمنوں کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اور

نہ سکا تو اب اسے اس امید پر دریا میں ڈال دیا ہے کہ شاید اسی طرح اس کی جان بچ جائے اور کوئی اسے نکال کر پالے۔ اسی بنا پر کچھ ضرورت سے زیادہ وفادار غلاموں نے عرض کیا کہ حضور اسے فوراً قتل کرادیں، یہ بھی کوئی بچہ اسی ہے۔ لیکن فرعون کی بیوی آخر عورت تھی، اور بعد یہ نہیں کہ بے اولاد ہو۔ پھر یہ بھی بہت پیاری صدمت کا تھا، جیسا کہ سورہ ظہ میں اللہ تعالیٰ خود حضرت موسیٰ کو بتاتا ہے کہ **وَأَلْقَيْتُ عَلَيْنَكَ سِتْرَ بَدَنِكَ** یعنی میں نے اپنی طرف سے تیرے اوپر عیبت ڈال دی تھی، یعنی تجھے ایسی موسیٰ صدمت دی تھی کہ دیکھنے والوں کو بے اختیار تجھ پر بار آجاتا تھا۔ اس لیے اس عورت سے نہ بڑا گیا اور اس نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ لے کر پال لو یہ جب بچا ہاں پر مدش پلٹے گا اور ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے تو اسے کیا تیر سہوگی کہ میں اسرائیلی ہوں۔ یہ اپنے آپ کو آل فرعون ہی کا ایک فرد سمجھے گا اور اس کی تابعین بنی اسرائیل کے بوائے کام آئیں گی۔

بائبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ کو پالنے اور بیٹا بنانے کے لیے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن صاف الفاظ میں اسے **امراة فرعون** (فرعون کی بیوی) کہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صدیق بعد ترتیب کی یہی زبانی روایات کے متعلقے میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اسرائیلی روایات سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر عربی صحاح و استعمالی کے خلاف **امراة فرعون** کے معنی "فرعون کے خاندان کی عورت" کیے جائیں

تلاہ یعنی لڑکی نے اس طریقے سے ٹوکے پر نگاہ رکھی کہ بیٹہ ہوئے ٹوکے کے ساتھ ساتھ وہ اس کے دکھیتی ہوئی جلتی بھی رہی اور دشمن یہ نہ سمجھ سکے کہ اس کا کوئی تعلق اس ٹوکے والے بچے کے ساتھ ہے اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ کی یہ بہن اس وقت ۱۰-۱۲ برس کی تھیں۔ ان کی ذہانت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ بھائی کا پیچھا کیا اور یہ تیز چلا دیا کہ وہ فرعون کے محل میں پہنچ چکا ہے

ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھتیاں حرام کر رکھی تھیں۔ وہ حالت دیکھ کر اس لڑکی نے ان سے کہا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟ اس طرح ہم موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پٹیا لائے تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ ننگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا، مگر اکثر لوگ اس بات

کے یعنی فرعون کی بہوی ہس اتا کو بھی دودھ پلانے کے لیے بلاتی تھی، بچہ اس کی چھاتی کو مزہ نہ لگاتا تھا۔ ۵۱۰ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے محل میں چھاتی کے پہنچ جانے کے بعد بہن گھر نہیں بیٹھی گئی، بلکہ وہ اپنی اسی ہریشاری کے ساتھ محل کے آس پاس چکر لگاتی رہی۔ پھر یہ اسے پتہ چلا کہ بچہ کسی کا دودھ نہیں پی رہا ہے اور ملکہ عالیہ پریشان ہیں کہ کئی ایسی اناملے جو بچے کو منہ آئے تو وہ زمین لڑکی سیدھی محل میں پہنچ گئی اور جا کر کہا کہ میں ایک اچھی اتا کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کو بڑی شفقت کے ساتھ پالے گی۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قدیم زمانے میں ان ممالک کے بڑے اور خاندانی لوگ بچوں کو اپنے ہاں پالنے کے بجائے عموماً اماؤں کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ اپنے ہاں ان کی پرورش کرتی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بھی یہ ذکر آتا ہے کہ مکہ میں وقتاً فوقتاً اطراف و نواح کی عورتیں آنانگری کی خدمت کے لیے آتی تھیں اور سرداروں کے بچے دودھ پلانے کے لیے اچھے اچھے معادنوں پر حاصل کر کے ساتھ لے جاتی تھیں۔ حضورؐ نے خود بھی حلیمہ سعدیہ کے ہاں صحرا میں پرورش پائی ہے۔ یہی طریقہ مصر میں بھی تھا، اسی بنا پر حضرت موسیٰ کی بہن نے یہ نہیں کہا کہ میں ایک اچھی اتا لا کر دیتی ہوں، بلکہ یہ کہا کہ میں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں گے اور اسے خیر خواہی کے ساتھ پالیں گے۔

۵۱۱ بائبل اور تلمود سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا یہ نام فرعون کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ یہ عبرانی زبان کا نہیں بلکہ قبلی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں میں نے اسے پانی سے نکالا۔ قدیم مصری زبان سے بھی حضرت موسیٰ کے نام کی یہ تخریج صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اس زبان میں ”مو“ پانی کو کہتے تھے اور ”اوشے“ کا مطلب تھا۔ بچایا ہوا۔

۵۱۲ اور اللہ کی اس حکیمانہ تدبیر کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ حضرت موسیٰ نبی الودیع فرعون کے شاہزادے

کو نہیں جانتے ۛ

ذہن کے بلکہ اپنے ہی ماں باپ اور بہن بھائیوں میں پرورش پا کر انہیں اپنی اصلیت اچھی طرح معلوم ہو گئی۔ اپنی خاندانی روایات سے، اپنے آبائی مذہب سے، اور اپنی قوم سے ان کا رشتہ نہ کٹ سکا۔ وہ آل فرعون کے ایک فرد بننے کے بجائے اپنے ولی جذبات اور خیالات کے اعتبار سے پوری طرح نبی اسرائیل کے ایک فرد بن کر اٹھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں مثل الذی یعمل ویحیتسب فی صنعتہ الخیر مکمل ام موصیٰ ترضع ولدہا وتاخذ اجرہا۔ جو شخص اپنی روزی کمانے کے لیے کام کرے اور اس کام میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھے اس کی مثال حضرت موسیٰ کی والدہ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلایا اور اس کی اجرت بھی پائی۔ یعنی ایسا شخص اگرچہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پریت بھرنے کے لیے کام کرتا ہے لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر رکھ کر ایمانداری سے کام کرتا ہے، جس کے ساتھ ہی معاذہ کرتا ہے اس کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے، اور رزق حلال سے اپنے نفس اور اپنے بال بچوں کی پرورش اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے کرتا ہے، اس لیے وہ اپنی روزی کمانے پر بھی اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ گریبا روزی بھی کمانی اور اللہ سے اجر و ثواب بھی پایا۔